معاصر علمی ڈسکورس میں قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے دلائل
(ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے افکار کے حوالے سے اختصاصی مطالعہ)

Arguments for the Quran revealed by Allah in Contemporary Academic Discourse
(A specific study regarding the thoughts of Dr. Gulam Jilani Barak)

Imran Ai
Phd scholar Department of Quran and Tafseer
Faculty of Arabic and Islamic studies AIOU Islamabad
Email: warden120@gmail.com

Dr. Hafiz Muhammad Arshad Iqbal
Assistant Professor Department of Quran and Tafseer
Faculty of Arabic and Islamic studies AIOU Islamabad
Email: arshad.iqbal@aiou.edu.pk

Abstract
From the very first day, a series of objections to the Holy Qur'an had started by the deniers of Isalm. During the British rule in the subcontinent, it was objected by the Orientalists regarding the Holy Quran that it is not the word of Allah Almighty but the authorship of Muhammad(saw).Many Islamic scholars responded to this objection, however, Dr.Gulam jilani Barak's effort in this regard was of a completely different nature and importance. He answered this objection with his own style of reasoning and rational, historical, evangelical and scientific arguments. A comprehensive analysis approach has been used in this research paper. In the light of the arguments of Dr.Gulam jilani Barak, it is clear that the Quran is the divine word.

Keywords: Dr. Gulam Jilani Barak, Contemporary Academic Discourse, thoughts of Dr. Gulam Jilani, Arguments for the Quran

اہل اسلام کے نزدیک قرآن پاک کلام الٰہی ہے۔جو حضرت محمد ﷺ پر جبرئیلؑ کے توسط سے نازل کیا گیا۔اور اسی حقیقت کا بار بار اعلان قرآن پاک میں کیا گیا ہے (ترجمہ: میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے)[1]۔شریعت اسلامیہ کی روسے وحی کا سرچشمہ نہ تو نبی کا اندرون ہوتا ہے (جیسا کہ سر سید احمد خان کا نظریہ ہے)۔اور نہ ہی یہ کسی قسم کا حلول ہے۔(جیسا کہ مسیحیت میں وحی کا تصور ہے)۔بلکہ وحی کا ایک خاص قسم کا پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی نبی کو مخصوص ذرائع سے دیتے ہیں۔جس کا اعلان نبی کامل یقین سے کرتا ہے۔اور پھر اس پیغام کی عملی تصویر اپنے اسوہ سے امت پر واضح کرتا ہے۔

ابتداءِ اسلام میں عرب میں شاعری کا دور دورہ تھا۔ لیکن جب قرآن مجید کے الفاظ و مضامین عربوں تک پہنچے تو وہ اس کلام کو سن کر مبہوت ہو گئے۔ اور ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے حق کو قبول کرنے کی بجائے اس کلام کو [illegible] کہانت، شعر اور جادو قرار دیا۔ تا کہ اس کلام کو ایک بری بات کہا جا سکے۔ اور اس کا انکار کیا جا سکے ۔(ترجمہ: بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلایا جسے وہ سمجھ نہ سکے اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی نہیں)[2]۔ یوں مکذبین کی طرف سے قرآن پاک کے مقام و مرتبہ کو کم کرنے کے لئے طرح طرح کے جاہلیت پر مبنی الزامات کا آغاز ہوا۔ دور حاضر میں مستشرقین اور ان کی فکر سے متاثر افراد نے بھی قرآن پاک کی علمی حاکمیت اور مقام و مرتبہ کو کم کرنے کی غرض سے قرآن پاک کے متعلق اپنی غیر علمی آراء کا اظہار کیا ہے۔ جن میں سے ایک رائے یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ یہ کتاب محمد ﷺ کی تصنیف ہے۔

برصغیر میں جن افراد نے قرآن مجید کی عظمت و پاکیزگی کو واضح کرنے کے لئے جدید علم کا سہارا لیا ہے۔ ان میں سے ایک روشن نام ڈاکٹر غلام جیلانی برق ہے۔ انہوں نے اس اعتراض (کہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے) کا جواب اپنے مخصوص اسلوب استدلال اور چار مختلف جہات سے مدلل طور پر دیا ہے۔ یہ جواب خصوصی طور پر کالج و یونیورسٹیز سے فارغ التحصیل افراد کے لئے ہے۔ کیونکہ مسلم معاشرے میں سائنس کی تعلیم کے بعد یہی لوگ سب سے پہلے سائنسدانوں کی تعلیم سے متاثر ہو کر یہ نظریہ اختیار کرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن پاک کلام الہٰی نہیں ہے۔ اور یہی لوگ الحاد کے ہراول دستہ کا کام کرتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا تعارف:

ڈاکٹر غلام جیلانی برق 1901ء میں بسال (ضلع اٹک) میں پیدا ہوئے۔[3] اور 12 مارچ 1985ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا۔ چناچہ ابتدائی تعلیم دینی مدارس میں حاصل کی جس میں مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل شامل ہیں۔ پھر بائیس سال کی عمر میں میٹرک کیا اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب ہوئے۔ عربی میں گولڈ میڈل لیا۔ ایم اے فارسی کیا۔ جب کہ پی ایچ ڈی کا مقالہ انگریزی زبان میں تحریر کیا جس کی تصدیق آکسفورڈ اور ہاورڈ یونیورسٹی سے ہوئی۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا شمار ان چند اسلامی سکالرز میں ہوتا ہے جو مدرسہ سے نکل کر یونیورسٹی پہنچے اور قیام پاکستان سے 7 سال قبل یعنی 1940ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یوں وہ ان بیس افراد کی لسٹ میں شامل ہو گئے جنہوں نے قیام پاکستان کے وقت پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہوئی تھی۔ دینی و دنیوی تعلیم کی طرح ان کا حلقہ احباب بھی معروف دینی و دنیوی افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے حلقہ احباب میں مولانا مودودی، شورش کاشمیری، ڈاکٹر باقر، ڈاکٹر

عبداللہ ،ڈاکٹر فضل الٰہی ،مولانا زاہد الحسینی،ڈاکٹر حمید اللہ ،مولانا عبد الماجد دریاآبادی ،حفیظ جالندہری ، طفیل ہوشیارپوری، جنرل شریں دل خان نیازی، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، حکیم سعید، شیخ عبدالحکیم، سردار امیر اکبر خان، کرنل محمد خان، کرنل شوکت، جنرل شفیق الرحمن، احمد ندیم قاسمی اور جسٹس کیانی شامل تھے۔[4]

قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے دلائل:

ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کے ضمن میں جو دلائل پیش کئے ہیں، انہیں ہم درج ذیل موضوعات میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

1۔ عقلی دلائل

2۔ تاریخی دلائل

3۔ بشاراتی دلائل

4۔ سائنسی دلائل

1۔ عقلی دلائل:

1۔ مشرکین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو کسی فرد نے سکھایا ہے؟ اگر ایسا کوئی معلم وہاں ہوتا۔ تو چار لاکھ صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے کسی ایک کو تو نظر آتا۔ کیا وہ خدیجہ الکبری، علی المرتضی، صدیق اکبر، اور انس کی نگاہ سے ، جو سائے کی طرح حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، نہاں رہ سکتا تھا؟ اگر وہ کسی کو نظر آجاتا تو کیا اس کا ایمان متزلزل نہ ہوجاتا؟[5]

2۔ قرآن پاک میں لفظ علم دیگر مشتقات مثلاً عالم، عالمین، علماء اور علیم وغیرہ کے ساتھ 686 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جب کہ لفظ قلم قرآن میں بار

اور لفظ کتاب 153 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ علم کی تحصیل، حفاظت اور دریافت کے لئے علم، قلم اور کتاب تینوں لازم و ملزوم ہیں۔ نبی کریم ﷺ

جس علاقہ میں مبعوث ہوئے وہاں علم کا کوئی تصور موجود نہ تھا، وہاں نہ کوئی کتاب تھی نہ مصنف اور نہ صاحب علم۔ بعض روایات کے مطابق اس

وقت سارے عرب میں تقریباً دو درجن افراد ایسے تھے جو اپنا نام یا خط لکھ سکتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے علاقہ میں ایک فرد علم کے

متعلق ایسے حقائق کیسے بیان کرسکتا ہے جو رہتی دنیا تک درست اور غیر متبدل ہوں۔[6]

3۔اگر قرآن کو کلام رسول ﷺ سمجھا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ حضور ﷺ نزول وحی سے پہلے بھی باتیں کیا کرتے تھے۔کیا وجہ ہے کہ

چالیس سال کی طویل مدت میں آپ ﷺ کے منہ سے ایک بھی ایسا جملہ نہ نکلا،جو قرآن کے انداز میں ہو؟[7]

4۔ہر مصنف کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں اپنی لغزشوں کا ذکر نہ کرے۔تاکہ لوگ اس سے بدظن نہ ہو جائیں۔قرآن حکیم میں حضور ﷺ کے متعلق چند ایسے واقعات درج ہیں کہ اگر قرآن حضور ﷺ کی تصنیف ہوتی تو آپ ﷺ ان کا ذکر کرنے سے لازماً اجتناب فرماتے۔چند مثالیں درج ذیل ہیں۔[8]

1۔اکثر تفاسیر میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ چند اکابر قریش سے باتیں کر رہے تھے کہ وہاں ایک اندھا صحابی ابن مکتوم جا پہنچا۔اس نے چند سوالات پوچھے۔لیکن حضور ﷺ نے توجہ نہ فرمائی۔اس پر سورۃ عبس کی درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔

(ترجمہ:جب رسول ﷺ کی محفل میں ایک اندھا آیا۔تو اس نے ماتھے پر بل ڈال لئے اور منہ پھیر لیا۔تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ مزید سدھر جاتا،اور تمہاری نصحت سے فائدہ اٹھاتا۔دوسری طرف جو شخص تم سے بے نیازی کرتا ہے ۔تم اس کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہو حالاں کہ تم جانتے ہو کہ اگر وہ ہدایت حاصل نہ کرے۔تو ہم تم سے باز پرس نہیں کریں گے (یہ عجیب بات ہے) کہ جو خدا ترس تمہارے ہاں دوڑتا ہوا آتا ہے تم اس کی پرواہ نہیں کرتے)۔[9]

جس قرآن میں حضور ﷺ کو شاہد، مبشر، سراج منیر، رحمت کائنات اور خلق عظیم کا حامل کہا گیا ہے۔اگر وہ حضور ﷺ کی تصنیف ہوتا تو اس میں یہ واقعہ کبھی بیان نہ ہوتا۔[10]

2۔تاریخ میں درج ہے کہ اسیران بدر کے متعلق حضرت عمر اور بعض دیگر صحابہ کا مشورہ یہ تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔لیکن حضور ﷺ نے انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(ترجمہ: نبی ﷺ کے لئے مناسب نہیں نہ تھا کہ وہ شدید جنگ (اور ضدی کفار کی خوں ریزی) کے بغیر قیدیوں کو پاس رکھتا۔تم مال دنیا چاہتے ہو اور وہ عزیز و حکیم رب کی نظر انجام پر ہے۔اگر پہلے سے طے شدہ مصلحتیں حائل نہ ہوتیں،تو ہم تمہیں فدیہ لینے پر خوف ناک سزا دیتے)۔[11]

یہ کیسے ممکن ہے کہ جس نبی ﷺ نے فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔وہ چند روز کے بعد اپنے اس اقدام کو باعث تنقید بتاتا۔اپنے آپ پر دنیا طلبی کا الزام لگاتا اور خود کو عذاب عظیم کا سزاوار ٹھہراتا۔صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام رسول ﷺ کا نہیں۔[12]

3۔ آیات ذیل سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید حضور ﷺ کو کسی وقت کفار کی دلداری کا بھی خیال آیا تھا۔ اکثر تفاسیر میں عبد اللہ ابن عباس اور سعید بن جبیر کی یہ روایت منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ کفار مکہ نے حضور ﷺ سے کہا ۔کہ جس طرح حجر اسود ایک پتھر ہے۔ اسی طرح ہمارے بت بھی پتھر ہیں آپ حجر اسود کو چھونا تو جائز سمجھتے ہیں اور ہمارے اصنام سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم آئندہ آپ کو صرف اسی صورت میں حجر اسود کے قریب جانے کی اجازت دیں گے ، کہ آپ پہلے ہمارے بتوں کو بھی، جو حرم میں رکھیں ہیں مس کریں۔ آپ ﷺ اس مسئلہ پر سوچ رہے تھے۔ کہ آیات ذیل نازل ہوئیں۔[13]

(ترجمہ: قریب تھا کہ کفار تمھیں ہماری وحی سے بہکا کر آمادہ افترا کرلیتے۔ اور اپنا دوست بنا لیتے اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے۔ تو ممکن تھا کہ تم ان کی طرف قدرے جھک جاتے۔ اس صورت میں ہم تم کو دنیا و آخرت میں دگنا عذاب دیتے۔ اور کوئی شخص تمہاری مدد نہ کرسکتا)۔[14]

مسلمانان عالم کو حضور ﷺ کی ذات سے اس قدر عقیدت ہے کہ اگر یہ آیات قرآن میں نہ ہوتیں۔ تو اس واقعہ کو کوئی مسلمان تسلیم نہ کرتا۔[15]

5۔ ہمارے تمام فلسفی فیثا غورث (506 ق م-582) سے برگساں (1859-1941ء) تک راز مسرت کی تلاش میں رہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سینکڑوں ضابطے تیار کئے۔ لیکن ان پر عمل کرنے کے لئے دس آدمی بھی آگے نہ بڑھے۔ دوسری طرف حکمت قرآن کو ماننے والوں کی تعداد آج سو کروڑ سے بھی متجاوز ہو چکی ہے۔ انسان ساختہ ضابطوں میں آئے دن تبدیلی کی جاتی ہے۔ لیکن حکمت قرآن میں ایک شوشہ تک نہیں بدلا۔ اور نہ مستقبل میں کبھی اس کی ضرورت پیش آئے گی۔[16]

انسان کی باتیں حالات وواقعات کے ساتھ بدلتی ہیں۔ اگر یہ قرآن محمد ﷺ کا کلام ہوتا تو یقیناً کچھ عرصہ کے بعد اس میں بھی تبدیلیاں واقع ہو جاتیں

6۔ آپ ﷺ عبرانی اور یونانی سے ناواقف تھے۔ تاہم آپ ﷺ نے بار بار تورات (عبرانی) وانجیل (یونانی) کا حوالہ دیا۔ ان کی تصدیق کی، اور ان کی تعلیمات کو بطور شہادت پیش کیا۔[17]

گویا آپ ﷺ ناواقف ہونے کے باوجود، تورات وانجیل کی تعلیمات کو جانے بغیر، ان تعلیمات کو ایک ایسی زبان میں بیان کررہے ہیں جن میں یہ تعلیمات پہلے سے موجود نہیں تھیں۔ اور یہ ساری تعلیمات بالکل درست نقل کررہے ہیں۔ ایسا صرف اسی صورت ممکن ہے۔ کہ تسلیم کیا جائے کہ یہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف نہیں۔

2۔ تاریخی دلائل

قرآن مقدس کی تاریخی کہانیوں کے متعلق کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سیلاب نوحؑ میں تمام دنیا کا ڈوب جانا مبالغہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں مصر پر مینڈکوں کی بارش اور کنوؤں، چشموں نیز دریاؤں میں پانی کا خون بن جانا محض ایک افسانہ ہے۔ قلزم کا پھٹنا، آسمان سے پتھر برسنا اور اسی نوع کی دیگر تصریحات ایسی داستانیں ہیں جن کی تائید نہیں ہوتی۔ ذیل میں چند ملتی جلتی کہانیوں کے متعلق بعض مغربی محققین کی آراء بیان کی جائیں گی۔ ان محققین میں سے بیشتر قرآن سے ناواقف تھے۔ یہ اپنی آزادانہ تحقیقات سے انہیں حقائق تک پہنچے جن کا ذکر قرآن اور بعض دیگر صحائف میں تھا۔ بالفاظ دیگر تاریخ نے نادانستہ طور پر الہام کی تائید کر دی۔[18]

1۔ قرآن میں ہے کہ جب فرعون کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے مصر پر کئی عذاب نازل کئے۔

(فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَ الۡجَرَادَ وَ الۡقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ۫ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ)[۱۹]

(ترجمہ: ہم نے انہیں طوفان، ٹڈی دل، جوؤں، مینڈکوں اور خون کے عذاب میں مبتلا کیا۔ یہ عذاب یکے بعد دیگرے نازل ہوئے۔ لیکن فرعون اسی طرح اکڑے رہے۔ کیونکہ وہ جرائم پیشہ لوگ تھے)۔

اس امر پر تاریخی شہادت موجود ہے کہ دوسری ہزاری قبل از مسیح میں زمین ایک زبردست افتاد سے دوچار ہوئی تھی۔ تفصیل یہ کہ ایک دمدار ستارہ جو نظام شمسی میں شامل تھا زمین کی طرف بڑھا۔ اس کی دم سے سرخ رنگ کی گیس نکل رہی تھی۔ وہ بحیرہ قلزم کے اوپر سے گذر کر مصر کی طرف گیا۔ سمندر، کنوؤں، جھیلوں، دریاؤں اور گھڑوں کا پانی سرخ ہو گیا۔[20]

سرویلس لکھتا ہے۔ کہ اس غبار کی وجہ سے زمین کا رنگ خون کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ مایا کی ایک قدیم تحریر قوانچی بتاتی ہے کہ ایک دفعہ امریکہ میں زلزلے آئے۔ زمین ڈولنے لگی۔ سورج کی حرکت میں بے قاعدگی پیدا ہو گئی اور دریاؤں کا پانی سرخ ہو گیا۔[21]

مصر کا ایک فاضل (Ipuwer) اس واقعہ کا عینی شاہد ہے۔ وہ اس عذاب پر ماتم کرتھ ہوئے لکھتا ہے۔ کہ دریاؤں کا پانی خون بن چکا ہے۔ سارا ملک گرفتار عذاب ہے۔ لوگ پانی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ساحل پر خالص پانی کے لئے گڑھے کھود رہے ہیں۔ ہر طرف تباہی ہی تباہی نظر آتی ہے سرخ غبار سے انسانوں اور مویشیوں کے جسم پر بھوڑے نکل آئے ہیں۔ اور سب کے سب خارش میں مبتلا ہیں۔[22]

خوں باری کے کچھ واقعات عروج کے بعد بھی ہوئے ہیں۔ ان کا ذکر مشہور رومن ادیب و مورخ پلینی (23ء-79ء) اور بابل کے بعض تاریخ نگاروں نے کیا ہے۔ یہ سرخی دمدار ستاروں اور شہابوں سے نکلی تھی۔ جو قطبین کی برف پر بہت نمایاں تھی۔[23]

2۔ طوفان نوح:

قرآن پاک میں نوحؑ کا ذکر 43 مرتبہ ہوا ہے اور آپؑ کی داستان کئی مرتبہ دہرائی گئی ہے۔[24] طوفان نوح کی مانند ایک عظیم طوفان کی روایت دنیا کی تقریباً ہر قوم میں ملتی ہے۔

چینی روایات میں مذکور ہے کہ شہنشاہ یاہو کے زمانے میں اتنا بڑا طوفان آیا کہ پہاڑ ڈوب گئے۔ صحرا سمندر میں تبدیل ہو گئے اور پانی چین کی سرزمین میں داخل ہو گیا۔ جنوبی امریکہ کی ایک ریاست پیرو کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایک مرتبہ سمندر کی چنگھاڑتی ہوئی لہریں خشکی پر چڑھ آئی رہیں اور ساری زمین کی ہیئت وصورت بدل گئی تھی۔ اوکلاہوما کے رہنے والے سرخ انڈین بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ امین پر تاریکی چھا گئی۔ کافی دنوں کے بعد شمال میں روشنی نظر آئی۔ یہ دراصل سمندر کی کوہ پیکر موجیں تھیں جو لحظہ بہ لحظہ قریب آرہی تھیں۔ افلاطون لکھتا ہے کہ کسی زمانے میں امریکہ اور افریقہ باہم متصل تھے۔ درمیان میں سمندر (اٹلانٹک) نہیں تھا۔ یہ خطہ اٹلانٹس کہلاتا تھا۔ یہ ایک طاقتور ریاست تھی جس میں افریقہ کا شمالی ساحل مراکش سے مصر تک اور جنوبی یورپ جبرالٹر سے اٹلی تک شامل تھا۔ اس پر 1926ء تک 1700 کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ ایک رات اس پر پانی چڑھ دوڑا۔ اور یہ سارا خطہ گہرے پانی میں ڈوب گیا۔ تبت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایک مرتبہ ایک دمدار ستارہ زمین کے قریب سے گزرا جس سے سمندر میں اتنی بلند ترین لہریں اٹھیں کہ تبت کی سطح مرتفع ڈوب گئی۔[25]

3۔ دو مشرق اور دو مغرب:

قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

(رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ)[26]

(ترجمہ: وہ دو مشرق اور دو مغربوں کا رب ہے)

دو مشرق اور دو مغرب کی بات انوکھی نہیں۔ یونان کا مشہور مورخ ہیروڈوٹس (484-424م) لکھتا ہے کہ جب میں مصر میں گیا تو وہاں ایک مذہبی پیشوا نے مجھے بتایا کہ مصر کے پہلے بادشاہ کی تخت نشینی سے آج تک 341 نسلیں گزر چکی ہیں۔ اس عرصے میں سورج دو مرتبہ مغرب سے نکل کر مشرق میں ڈوبا تھا۔ اس روایت کی روشنی میں دو مشرق ہوئے ایک ہمارا مشرق اور دوسرا مصر کا وہ مشرق۔[27]

پہلی صدی میلادی کا ایک لاطینی مورخ (Pomponius Mela) لکھتا ہے کہ مصر کے لوگ دو باتوں پہ نازاں تھے۔ اول اپنے قدیم ہونے پر اور دوم، اس حقیقت پر کہ ان کی تاریخ میں سورج دو مرتبہ مغرب سے طلوع ہو کر مشرق میں ڈوبا تھا۔[28]

(H.O.Lang) کہتا ہے کہ زمین پر بارہا ایسا وقت آیا کہ شمال جنوب بن گیا۔ مشرق مغرب اور زمین الٹی ہو گئی۔

جھلی کی ایک تحریر جو لینن گراڈ کے میوزیم میں محفوظ ہے اور جس کا نمبر B116 ہے۔ بتاتی ہے کہ بعض اوقات زمین الٹی ہو جاتی رہی ہے۔

افلاطون (427-347 ق م) اپنے مقامات میں کہتا ہے کہ بعض اوقات زمین الٹے چکر لگانے لگتی ہے اور سمتیں بدل جاتی ہیں۔ لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب آسمانی قوتیں زمین کے باسیوں سے ناراض ہو جائیں۔[29]

4۔ باد صرصر سے تباہی:

قوم عاد کے متعلق قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ تعالی نے اس قوم کو تیز آندھی سے ہلاک کیا۔ ارشاد باری ہے

(وَ اَمَّا عَادٌ فَاُہۡلِکُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَۃٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَہَا عَلَیۡہِمۡ سَبۡعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوۡمًا ۙ فَتَرَی الۡقَوۡمَ فِیۡہَا صَرۡعٰی ۙ کَاَنَّہُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِیَۃٍ ﴿۷﴾ فَہَلۡ تَرٰی لَہُمۡ مِّنۡۢ بَاقِیَۃٍ)[30]

(ترجمہ: اللہ نے عاد کو زناٹے کی تند آندھی سے تباہ کر دیا۔ یہ سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی اور لوگ یوں گر رہے تھے جیسے کھوکھلی کھجوروں کے تنے۔ کیا ان میں سے اب کوئی زندہ نظر آتا ہے؟)

یہودی روایات میں ہے کہ مصر کی ہر چیز سرخ ہو جانے کے بعد سات دن تک ایک تیز آندھی چلتی رہی۔ جس سے ہزاروں بستیاں تباہ ہو گئیں۔ لاتعداد درخت گر پڑے زمین کی صورت تبدیل ہو گئی پہاڑ الٹ گئے اور دنیا کی بیشتر آبادی ہلاک ہو گئی۔[31]

ایرانی روایات میں ہے کہ ایک دفعہ دو دیوتاؤں مردوک اور تیامت میں جنگ ہو گئی۔ مردوک نے ایسی تیز آندھی چلائی کہ جس نے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے اور ہر چیز کو تباہ کر دیا۔[32]

شمالی نیوزی لینڈ کے وحشی قبائل میں یہ روایت آج تک چلی آ رہی ہے کہ قدیم زمانے میں ایک دفعہ کالی گھٹائیں گھر آئیں۔ پہلے ان سے آگ برسی پھر اتنی تیز آندھی آئی کہ تناور درخت جڑ سے اکھڑ گئے۔ بطن زمین سے خوفناک گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ اور سمندر خشکی پر چڑھ دوڑے۔[33]

جنوبی بحر الکاہل کے چند جزائر جو پولی نیسیا کے نام سے مشہور ہیں۔ ہر سال مارچ کے مہینے میں اپنے دیوتا طفا فنا کا دن مناتے ہیں۔ جس نے تاریخ کے ایک ہمہ گیر طوفان میں پولی نیسیا کے غرق شدہ جزائر کو باہر نکالا تھا۔ یہ طوفان تند آندھی سے اٹھا تھا اور اس نے ساری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔[34]

مورخین نے مصر پر فراعنہ کے چار ہزار سالہ اقتدار کو تین دوروں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور دس خاندانوں پہ مشتمل تھا۔ دوسرا آٹھ اور تیسرا بارہ پر۔ مصر کا مورخ پادری مینتھو(280ق م) لکھتا ہے کہ درمیانے دور کا خاتمہ باد صر صر سے ہوا تھا۔

بدھسٹوں کے ہاں یہ روایت ملتی ہے کہ کائنات ہمیشہ باد صر صر سے تباہ ہوتی ہے۔ یہ ہوا پہاڑوں کو اڑا کر آسمانوں پہ پھینک دیتی ہے اور اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ ایک کڑوڑ دنیاؤں کو ایک لاکھ مرتبہ تباہ کر سکیں۔[35]

5۔ آسمان سے پتھر:

قرآن پاک میں قوم لوط پر پتھروں کی بارش کا ذکر موجود ہے۔

(فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ مَّنۡضُوۡدٍ)[۳۶]

(ترجمہ: سو جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے قوم لوط کی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا اور ان پر کھنگروں کی لگاتار بارش برسائی)

آسمان سے پتھروں کی بارش سے شہاب ثاقب کا گرنا مراد لیا جائے تو پھر اس قصہ کو ماننے میں کوئی بات مانع نہیں ہوتی۔ جب کہ تاریخ میں شہاب ثاقب کے گرنے کی بہت سی داستانیں اور واقعات موجود ہیں۔ مثلاً 26 اپریل 1803ء کو فرانس کے ایک مقام (Aigle) میں شہابوں کی بارش برسی۔ 7 نومبر 1492ء کو روما کے شہنشاہ میکسی میلن اور اس کے درباریوں کے سامنے فرانس کے ایک مقام ایلسیس میں پتھر برسے۔ 24 جولائی 1790ء کو جنوبی فرانس میں پتھر برسے تو پیرس کی سائنس اکادمی نے اس واقعہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن 1803ء کے بعد اس کی رائے بدل گئی اور سنگ باری کو ایک حقیقت سمجھنے لگے۔ 30 جولائی 1908ء کو لوہے کا ایک گولہ جو چالیس ہزار ٹن وزنی تھا سائبیریا میں گرا۔[37]

یشوع کی کتاب میں مذکور ہے کہ جب کنعانی بنی اسرائیل کے آگے آگے بھاگے تو اللہ نے ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ پتھروں سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی جو تلوار سے مرے تھے۔

بحیرہ قلزم اور مصر کے ہر چاہ و چشمہ کو سرخ کر دینے والا دم دار ستارے کے گزرنے کہ معا بعد آسمان سے گرم گرم پتھر برسنے لگے۔ خروج کتاب، باب 9، آیت 24، میں ہے کہ ان پتھروں کے ساتھ آگ اور گرج بھی تھی اور ہر پتھر پر ہلاک ہونے والے کا نام بھی لکھا تھا۔

بدھسٹ کی ایک کتاب وسدھی مگا میں لکھا ہے کہ جب کائنات کا خاتمہ قریب آتا ہے تو پہلے کالی گھٹا اٹھتی ہے پھر تیز ہوا چلتی ہے جس میں پہلے گرد ہوتی ہے پھر ریت اور پھر کنکر اور آخر میں درختوں جتنے بڑے بڑے پتھر۔[38]

میکسیکو کی داستانیں بتاتی ہیں کہ ایک دفعہ آسمان سے آگ اور گرم پتھر برسے تھے۔

فن لینڈ میں یہ روایت بدستور زندہ ہے کہ ایک دفعہ آسمان سے لوہے کے ٹکڑے گرے تھے۔[39]

6۔ من وسلوی:

قرآن حکیم میں اللہ نے بار بار ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جن سے بنی اسرائیل کو نوازا تھا مثلا بحیرہ قلزم کو چیر کر ان کے لیے راستہ بنانا، فرعون کو غرق کرنا، صحرائے سینا میں ان کے لئے بارہ چشمے جاری کرنا، دھوپ سے بچانے کے لیے ان کے سروں پر بادل تان دینا اور من وسلویٰ نازل کرنا۔[40]

صحرائے سینا میں ایک پودے تمرکس کے ساتھ بالکل من جیسا پھل لگتا ہے یہ صبح کے وقت زمین پر خود بخود گرتا ہے اور دھوپ میں پگھل جاتا ہے وہاں کے لوگ اسے پگھلا کر بوتلوں میں بھر لیتے اور ڈبل روٹی کے ساتھ لگا کر کھاتے ہیں۔اسے عموماً آسمانی پھل کہا جاتا ہے۔[41]

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آئس لینڈ میں آگ بھڑک اٹھی دو آدمیوں کے سوا باقی سب کچھ جل گیا ان کا گزارا شبنم پر تھا جو گرنے کے بعد جم جاتی آئس لینڈ کی موجودہ آبادی انہیں دو کی اولاد ہے

نیوزی لینڈ کے موری قبائل کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آندھیوں اور طوفانوں سے ان کے گھر تباہ ہوگئے بعد میں دیر تک کہر چھائی رہی اور فضا سے بھاری (منجمند) شبنم برستی رہی۔

بدھی روایات میں ہے کہ جب دنیا کا ایک چکر ختم ہو جاتا ہے تو آسماں سے غذا برسنے لگتی ہے۔

رگ وید اور اتھر وید میں بھی بادلوں سے شہد برسنے کا ذکر ملتا ہے۔

یونانیوں کے ہاں ایک ایسی آسمانی غذا رضا کا ذکر ملتا ہے جس کا ذائقہ شہد جیسا تھا۔یہی شہد جب دریاؤں پر برساتو ان کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو گیا اور ذائقہ شہد جیسا۔اسی بنا پر رومن شاعر اووڈ نے کہا تھا کہ ہمارے ملک میں شیر و شہد کی نہریں بہتی ہیں۔[42]

7۔ آسمانی چنگھاڑ:

اللہ تعالی نے شعیبؑ اور صالحؑ کی قوموں کو آسمانی چنگھاڑ سے ہلاک کیا۔[43]

چنگھاڑ سے ہلاکت کوئی انوکھی بات نہیں ہے بلکہ اس سے ملتی جلتی بات دیگر اقوام کے ادب میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً:

حضرت داوٗدؑ نے اس چنگھاڑ کو خدا کی آواز کہا تھا۔"تمھارے خدا کی للکار سے صحرائے قدیش (تیہہ) لرز اٹھا۔اس کی گونج آسمانوں تک پہنچی اور اس کے لشکارے سے ساری کائنات چمک اٹھی"[44]

برازیل میں یہ روایت ابھی تک چل رہی ہے کہ ایک مرتبہ اتنے زور سے بجلیاں کڑکیں کہ آسمان پھٹ گیا اس کے ٹکڑے گرنے لگے اور ہر جاندار ہلاک ہو گیا[45]۔

جب کوہ طور پر تورات کے ابتدائی دس احکام نازل ہوئے تو پہاڑ لرزنے لگا اور لرزنے کی بلند صدا دور دور تک پہنچی۔[46]

یونان کا فلسفی شاعر ہیسیڈ لکھتا ہے کہ جب دو آسمانی دیوتا زیوس اور تائیفون میں جنگ چھڑ گئی تو ہتھیاروں کے ٹکرانے سے زمین آسمان کانپ اٹھے۔[47]

مصر کا مورخ کی ایپور لکھتا ہے کہ سال خروج بلند صداوءں کا سال تھا۔ اس سال زمین سے اتنی آوازیں نکلیں کہ زمین کے تباہ ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔[48]

تالمود اور دیگر اسرائیلی ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ جب اشوری بادشاہ سنا کرب (702-681 قم) نے سلطنت اسرائیل پر حملہ کیا تو اس کے لشکر پر آسمان سے آگ برسی۔ جس سے سپاہیوں کی روح تک جل گیئں۔ لیکن کپڑے سالم رہے۔ آگ کے ساتھ ایک خوفناک ناک چنگھاڑ بھی شامل تھی۔[49]

قرآن پاک میں بیان کردہ قصص سے غیر متوقع طور پر ملتی جلتی کہانیں دنیا کے تقریبا ہر ادبی سرمایے میں پائی جاتی ہیں جن سے ایک طرف قرآنی قصص کی صداقت ثابت ہوتی ہے اور دوسری طرف قرآن پر اعتراض کرنے والوں کے لئے انتہائی اہم اور قابل حل سوال سامنے آتا ہے۔ کہ جب انہیں ادبی کہانیوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو قرآنی قصص پر کیوں اعتراض ہے؟ مزید یہ کہ دوسرے علاقوں اور زبانوں میں بیان کردہ کہانیوں کا قرآنی قصص سے مشابہت رکھنا تو اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کا مصنف امی نبی محمد ﷺ نہیں بلکہ بے انتہا علم کا مالک ایک اللہ ہے۔

3۔ بشارتی دلائل:

حضور ﷺ کو پیش گوئیاں کرنے کی عادت نہیں تھی آپ ﷺ وہی بات کہتے تھے جو اللہ تعالی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ کو بتاتے تھے انسانی نظر مستقبل کے اندھیروں میں چیر کر آنے والے واقعات کو نہیں دیکھ سکتی جو لوگ موجودہ حالات سے آنے والے واقعات کا اندازہ لگا لیتے ہیں کبھی کبھی ان کا اندازہ درست ہوتا ہے لیکن اسے پیش گوئی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ اسباب و علل سے نتائج اخذ کرنے کی ایک کوشش ہوتی ہے قرآن کی پیشگوئیاں ایسے واقعات کے متعلق ہیں جن کی علامات تک کہیں موجود نہ تھی۔ اور جن کے متعلق قبل از وقت کوئی اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ ان بشارات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول، وہ جو ابھی تک وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ مثلا، یاجوج ماجوج کا ظہور، دابۃ الارض کا خروج، حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول اور قیامت کا آنا وغیرہ۔

دوم، وہ جو پوری ہو چکی ہیں۔ مثلاً، فرعون موسیٰ کی لاش کا ملنا، ابو جہل کی تباہی، روم کی فتح کی خوشخبری وغیرہ ڈاکٹر برق نے قسم دوئم کو بطور شہادت برائے تنزیل قرآن من جانب اللہ کے ضمن میں پیش کیا ہے۔

1۔فرعون موسیٰ کی لاش:

قرآن کے کلام اللہ ہونے پر اس سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن میں فرعون کے متعلق ایک ایسی پیش گوئی موجود ہے۔ جس کا ذکر تورات اور دیگر آسمانی صحائف میں نہیں تھا۔اور جو تقریباساڑھے تین ہزار برس کے بعد بیسویں صدی

کے آغاز میں پوری ہوئی۔[50]

فرعون موسیٰؑ کی لاش کی بازیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں۔

"عہد رسالت میں عرب عالم کی تاریخ، تہذیب، آثار تمدن،اور علوم وفنون سے مطلقانا آشنا تھے۔انہیں قطعا معلوم نہ تھا کہ فرعون کتنے تھے؟اور وہ کب سے مصر پر حکومت کر رہے تھے؟رہی کھدائیاں تو مصر میں ان کا آغاز پچھلی صدی (انیسویں) کے اواخر میں ہوا تھا۔اور فرعون موسیٰ کی لاش 1907ء میں ایک انگریز مفتش سر گرافٹن سمتھ کی کوششوں سے بر آمد ہوئی تھی"[51]

2۔روم کی فتح:

616ء عیسوی میں روم وایران کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور روم کو شکست ہو گی کیونکہ قریب العقیدہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کے ساتھ تھی اور قریش کی ایران کے ساتھ اس لیے کفار نے بڑی خوشیاں منائیں اور مسلمان افسردہ سے ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ترجمہ: عربستان کے قریب ایک جنگ میں روم کو شکست ہو گی لیکن چند سال کے اندر روم کو فتح نصیب ہو گی، آگے اور پیچھے اللہ ہی کا حکم چلتا ہے)[52]

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ مکہ کی گلیوں میں صدا دینے لگے کہ ایران کو بہت جلد شکست ہو جائے گی اس پر ابیُ بن خلف نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ آؤ اور دس دس اونٹنیوں کی شرط لگالو۔ حضرت ابو بکر نے شرط لگالی۔اور میعاد تین برس اور بعض روایات کے بقول چھ برس کی میعاد مقرر کرلی۔ یہ خبر جب نبی ﷺ تک پہنچی تو انہوں ﷺ نے فرمایا کہ بضع سے مراد تین سے نو سال تک کا عرصہ ہے۔ حضرت ابو بکر دوبارہ ابی بن خلف کے پاس گئے۔ میعاد میں اضافہ کیا اور شرط میں دس کی بجائے سو اونٹنیاں لگادیں۔ سات سال بعد اس روز بدر کا معرکہ ہوا تھا روم نے ایران کو زبردست شکست دی اور اس کی فوجیں ایران میں داخل

ہو گئیں۔ جب مدینہ یہ خبر پہنچی تو حضرت ابو بکر نے ابی کے وارثوں سے اس شرط کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے شرط پوری کر دی۔ اور حضرت ابو بکر نے نبی ﷺ کے حکم سے یہ رقم مساکین میں بانٹ دی۔[53]

3۔ مسلمانوں کے لئے وعدہ حکومت:

سورہ النور ہجرت کے پانچویں سال واقعہ افک کے ایک ماہ بعد نازل ہوئی تھی اس سورت کی آیت نمبر 55 میں مسلمانوں کو تین بشارت دی گئی تھی حالانکہ اس وقت تک نہ خیبر فتح ہوا تھا نہ مکہ نہ حنین نہ طائف۔ مسلمانوں کا اثر و رسوخ نوح مدینہ تک محدود تھا۔ یہ تین بشارات درج ذیل ہیں۔

1۔ وہ انہیں اس طرح حکومت دے گا جس طرح پہلی اقوام کو دی تھی

2۔ ان کے دین کو جو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ استحکام بخشے گا۔

3۔ انہیں طاقتور بنا کر ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کی حکومت یمن سے اردن اور خلیج فارس سے بحیرہ قلزم تک تقریباً آٹھ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔[54]

4۔ ابو جہل کی تباہی:

دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم مسجد میں گئے تو ابو جہل کے کہنے پر عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر حضور ﷺ کی گردن میں ڈال دی اور اسے بل دینے لگا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ وہاں آگئے اور عقبہ کو دھکیل کر وہاں سے ہٹایا یا ایک اور موقع پر یہی عقبہ ابو جہل کے کہنے پر اونٹ کی اوجھڑی کہیں سے اٹھا لایا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو ان کی پشت پر رکھ دی۔ ایک دن ابو جہل نے نبی ﷺ کو دھمکایا کہ آئندہ نماز کے لئے کعبہ میں داخل ہوئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ اس پر درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔

(ترجمہ: کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو (ہمارے) بندے کو نماز پڑھنے سے سے روکتا ہے کیا اس نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ شاید وہ بندہ ہدایت پر ہوں اور تقوی کی ہدایت کرتا ہو یا یہ کہ روکنے والا جھوٹا اور سرکش ہو۔ کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسے چوٹی اور خطا کار چوٹی سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹیں گے اسے کہو کہ وہ اپنے مددگاروں کو بلائے۔ ہم اپنے کارکنوں کو آواز دیں گے خبردار اس کی بات ہرگز نہ سنو اور سجدے میں گر کر ہمارا قرب حاصل کرو)[55]

اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیات ابو جہل سے تعلق رکھتی ہے ہیں امام قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکتا تھا ان آیات میں ایک پیش گوئی بھی تھی کہ اگر ابو جہل باز نہ آیا تو ہم اسے چوٹی سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹیں گے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا گزر ہوا ہوا ابو جہل کی لاش دیکھی تو اس سے پہلے الٹا یا پھر گدی پر پاؤں رکھ کر ایک ہاتھ سے اس کی چوٹی پکڑی دوسرے سے اس کا سر کاٹا اور دوڑ کر حضور کی خدمت میں جا پہنچے وہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہو گی۔ [56]

5۔ابراہیمؑ کی منادی:

حضرت ابراہیمؑ کی سوانح حیات میں تمام مورخین نے تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے اپنی زوجہ محترمہ ہاجرہؓ اور فرزند اسماعیلؑ کو کوہ صفا کے دامن میں چھوڑ کر خود حران کو واپس چلے گئے۔ بعد ازاں زم زم کا چشمہ پھوٹ نکلا اور بنو جرہم وہاں آباد ہوئے اور پھر حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے مل کر بیت اللہ کی تعمیر مکمل کی تو انہیں اللہ کی طرف سے حکم ملا۔ [57]

(وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ) [58]

ترجمہ: اور لوگوں کو حج کے لیے پکارو۔ لوگ دور دراز راستوں سے پیادہ اور دبلی سواریوں پر آئیں گئے۔ [59]

ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم پر جب حج کے بلاوے کی صدا لگائی اس وقت بنو جرہم کے چند خیموں کے سوا کوئی آبادی نہیں تھی۔ مکہ کی زمین بھی زرخیز نہیں تھی اور نہ ہی تجارتی گزر گاہ تھی۔ رہی بات صنعت کی تو اس وقت تو پورے عرب میں صنعتوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ یعنی دنیاوی ترقی کے لئے افراد کو مائل کرنے والی کوئی چیز مکہ میں موجود نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود زمانہ قدیم سے لیکر آج تک ایمان والے اس گھر کی طرف ہر سال رخت سفر باندھتے ہیں۔

6۔ابو لہب کی ہلاکت:

مکہ میں حضور ﷺ کے جانی دشمن دو تھے۔ ابو جہل اور ابو لہب بن عبد المطلب۔ جب حضور ﷺ نے اکابر قریش کو جمع کر کے کوہ صفا میں ندا دی کہ اللہ ایک ہے۔ وہی پرستش کے قابل ہے۔ قیامت آکر رہے گی اور تمہیں اپنے اعمال کا جواب دینا پڑے گا تو ابو لہب نے بڑے غصہ سے کہا: تبالک الھذا اجمعتنا۔ (تم پر (نعوذ باللہ) تباہی آئے۔ کیا تم نے اس کام کے لئے ہمیں جمع کیا تھا؟)۔ اس کے بعد ابو لہب نے پچیس آدمیوں کی ایک جماعت تیار کی جو حضور ﷺ کو تنگ کرتی۔ پھبتیاں کستی، نماز

کے وقت سیٹیاں بجاتی اور شور مچاتی تھی۔ ابو لہب کی بیوی ام جمیل حضور ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھاتی تھی۔ جب ان دونوں کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گیئں تو سورہ لہب نازل ہوئی۔ [60]

ان آیات کے نزول کے تقریباً بارہ برس بعد غزوہ بدر کے موقعہ پر قریش کی شکست کی خبر سننے پر پہلے تو ابو لہب ہذیان بکنے لگا۔ اور پھر اس کے جسم پر کوڑھ نمودار ہو گیا۔ تمام اعضاء بے کار ہو گئے۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ اس کی لاش اس قدر مسخ شدہ اور بدبو دار تھی کہ کئی دن تک پڑی رہی اور بالآخر محلے والوں نے حبشیوں سے اٹھوا کر اسے دفن کرایا۔[61] رہی ام جمیل تو ایک دن اس نے ایندھن کا ایک بہت بھاری گٹھا رسی میں سر پھنسا کر پیٹھ پر اٹھالیا۔ چلتے چلتے ٹھوکر لگی۔ رسی سرک کر گلے میں پڑ گئی۔ اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی۔[62]

اگر دیکھا جائے تو اسلام کو غلط ثابت کرنے کے لئے ابو لہب کو صرف ایک مرتبہ کلمہ پڑھ دیناہی کافی تھا۔ لیکن اس کے فسق و کفر اور نفرت اسلام کی بدولت یہ بات اس کے ذہن میں نہ آئی۔ مزید یہ کہ اس واقعہ نے قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر پختہ دلیل مہیا کر دی۔

4۔ سائنسی دلائل:

اس سے مراد قرآن پاک میں بیان کردہ وہ حقائق ہیں جو سائنسی نوعیت کے ہیں اور جس کی وضاحت جدید سائنسی ایجادات کی بدولت ہوئی۔ یہ حقائق اس وقت بیان کئے گئے جب انسانیت سائنس سے بالکل ناواقف تھی۔ چنانچہ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی فرد ایسی بات بیان کر دے جو چودہ صدیوں کے بعد انسان کو جدید ایجادات و علوم و تجربات سے معلوم ہو۔ ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن پاک کو نازل کرنے والی ذات خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی نہیں۔ اس ضمن میں چند دلائل درج ذیل ہیں۔

1۔ آسمانوں میں توسیع:

آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن حکیم نے آسمانوں کے متعلق ایک ایسی بات کہہ دی جو اب حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے۔ نئی دور بینوں کی ایجاد سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا کہ ستاروں کی تعداد کیا ہے؟ ان میں کتنی مسافتیں حائل ہیں؟ کہکشائیں کتنی دور ہیں اور اس کے شموس و کواکب
کتنے دور ہیں؟[63]

1948ء میں کیلیفورنیا یونیورسٹی نے کوہ پیلومر پر ایک ایسی دور بین نصب کی جس کے شیشے کا قطر دو سو انچ تھا۔ اس سے آسمانوں کی لامحدود وسعتیں نظر کے سامنے آگئیں اور انسان نے دیکھا کہ:

الف، ہماری کہکشاں کا قطر ایک لاکھ نوری سال ہے۔ سورج اس کے ایک کنارے پر واقع ہے۔ مرکز کہکشاں سے تین ہزار نوری سال دور سورج اپنے مرکز کے گرد 150 میل فی سیکنڈ، 9000 میل فی منٹ اور 5،40،000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہا ہے ب، ہماری کہکشاں کے علاوہ ایک ارب کہکشائیں اور بھی ہیں۔

ج، یہ تمام کہکشائیں ہم سے نیز ایک دوسرے سے دور جارہی ہیں۔ اور آسمانوں میں زبردست توسیع ہو رہی ہے۔[64]

کتنی حیرت انگیز ہے یہ حقیقت کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب عربوں کے پاس فلک بینی کا کوئی آلہ موجود نہ تھا۔ قرآن نے ایک ایسی بات کہہ دی جس کا انکشاف 1948ء کے بعد کوہ پیلومر کی دور بین نے کیا۔ یعنی کہ کائنات پھیل رہی ہے۔

ارشاد باری ہے۔

(وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَ إِنَّا لَمُوسِعُونَ)[65]

(ترجمہ: ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم اس میں توسیع کرتے رہیں گے)

قرآن کے وحی ہونے پر اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟[66]

2۔ متحرک سورج:

فلک شناس نامعلوم زمانوں سے آسمان کے مشاہدہ میں مصروف ہیں۔ تمام قدیم و مہذب اقوام مثلاً یونانیوں ،مصریوں، سمیریوں، بابلیوں اور چینیوں کے ہاں اجرام فلکی کے متعلق کافی مواد ملتا ہے۔ فیثا غورث (506 ق م-582 ق م) نے کہا کہ زہرہ و مریخ سورج کے گرد گھوم رہے ہیں۔150ء میں بطلیموس کا نظام شمسی سامنے آیا۔ اس نے زمین کو کائنات کا مرکز قرار دے کر سورج اور دیگر ستاروں کو اس کے گرد گھمادیا تمام مسلم، یہودی اور عیسائی منجم پندرھویں صدی تک اسی نظام کے قائل رہے۔[67]

پندرھویں صدی عیسوی میں پولینڈ کے ایک منجم نکولس کاپرنیکس نے اعلان کیا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔ اس اعلان نے مذہبی دنیا میں ایک زلزلہ سا برپا کر دیا۔ پوپ نے اسے کافر قرار دے دیا اور اس کی گرفتاری کے احکام جاری کر دئے۔ لیکن اس وقت تک کاپرنیکس مر چکا تھا[68]

جب کاپرنیکس کے انکشاف کو دنیا نے ایک حقیقت سمجھ لیا تو دنیائے اسلام میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ قرآن مقدس سورج کو متحرک قرار دیتا ہے۔(یسین:38)

(وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ)[69]

(ترجمہ: سورج اپنی منزل کی طرف محو سفر ہے۔ غالب و صاحب علم رب کی تقدیر (تدبیر، فیصلہ) یہی ہے)

چونکہ اس وقت مسلمانوں کے پاس نہ (جدید) علم تھا نہ رصد گاہیں اور نہ ہی فلک بین دور بینیں۔ اس لئے وہ یورپ کے علمی انکشافات و نتائج کی تردید نہ کر سکے۔ آخر قرآن کی حفاظت کرنے والے رب نے قرآن کی تائید کا انتظام خود ہی کر دیا۔ اور یورپ میں ایسے منجم پیدا کر دئے جنہوں نے سالہا سال کے مشاہدہ و مطالعہ کے بعد پورے وثوق سے

اعلان کیا کہ سورج کسی نہ معلوم منزل کی طرف جارہاہے۔ان میں سر فہرست سر فریڈرک ولیم ہرشل شامل تھا۔اس کا قول ہے۔

(The sun is travelling through space)

(سورج خلاء میں سفر کر رہاہے)۔[70]

دیکھا آپ نے اللہ تعالی نے یہ حقیقت کہ سورج گردش میں ہے ۔دانایان مغرب سے کس طرح منوالی۔کیا؟اب بھی اس کتاب کے من جانب اللہ ہونے میں کوئی شک باقی ہے ؟[71]

3۔سبز درخت سے آگ:

آج سے ہزاروں برس پہلے جب انسانوں کی تعداد کم تھی۔زمین پر دور دور تک گھنے جنگل پھیلے ہوئے تھے۔بڑی بڑی جھیلوں اور دریاؤں کے کنارے اونچی اور گھنی کائیاں تھیں۔مرور زمانہ سے بوڑھے درخت جوان درختوں پر گرتے رہے۔اور سال خوردہ کائیاں ٹوٹ ٹوٹ کر انبار ہوتی رہیں۔زلزلوں سے بھی پہاڑ جنگلات پر گرے اور زمین میں دب گئے۔ اوپر سے بارشیں برسیں۔جن میں مٹی ان دبے ہوئے درختوں میں داخل ہوگئی۔زمین کی حرارت سے یہ گلنے سڑنے لگے اور نسواری رنگ کے گوند میں تبدیل ہوگئے۔بعد میں یہی گوند کالا ہو کر کوئلہ بن گیا۔آج ہم یہی کوئلہ نکال کر جلارہے ہیں[72]۔اللہ نے قرآن مجید میں جہاں اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیاہے وہاں یہ بھی فرمایاہے:

(الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ)[73]

(ترجمہ:اللہ نے تمھارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی جسے تم سلگاتے ہو یا سلگاؤ گے)

معدنی کوئلے کے متعلق آج حکمائے مغرب نے وہی بات کہی ہے جو چودہ سو سال پہلے قرآن حکیم نے کہی تھی۔[74]

4۔مطالعہ کائنات کی دعوت:

نزول قرآن کے وقت یا تو محض تفریح تھا یا وجود باری تعالیٰ پر دلائل قائم کرنا تھا۔لیکن آج یہ مطالعہ قومی بقاء کی اساس بن گیاہے۔وہ اقوام دنیا میں ترقی کے زینے طے کر رہی ہیں جنھوں نے مطالعہ کائنات کی طرف خصوصی توجہ دی اور وہ اقوام پسماندہ ہیں جنھوں نے مطالعہ کائنات سے صرف نظر کیا۔کتنی حیرت کی بات ہے کہ جب دنیا میں کہیں بھی مطالعہ کائنات کی اہمیت، قدر و قیمت اور امکانات کا کہیں ہلکا سا احساس بھی موجود نہ تھا

تب قرآن پاک نے 756 آیات میں مطالعہ کائنات کی طرف متوجہ کیا اور ساتھ ہی دھمکایاہے۔[75]اور ایک مقام پر صحیفہ کائنات کے مطالعے سے اعراض کی سزا قومی موت تجویز کی گئی ہے۔

(أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ)[76]

(ترجمہ: کیا یہ لوگ آسمان وزمین وغیرہ کی تخلیق پر غور نہیں کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آگئی ہے)[77]

کیا کوئی شخص کسی ایسی بات کی دعوت دے سکتا ہے جس کی اہمیت کا انکشاف بارہ سو سال بعد ہونا ہو؟[78]

5۔ کائنات میں تنوع:

جواہر میں منفیوں کی کمی بیشی اور اختلاف نظام سے کائنات میں تنوع پیدا ہوا۔ کسی جوہر میں منفیے وسط میں ہیں تو کہیں کناروں کے پاس ہیں، پھر تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس سے مختلف جواہر اور اشیاء بنتی ہیں۔ قرآن پاک نے ہمیں ان خوردبینی اجزائے تکوین کی طرف یوں متوجہ کیا ہے۔[79] ارشاد باری ہے۔

(وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَ لَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ)[80]

(ترجمہ: ارض وسماء کا کوئی ذرہ (جوہر) ذرے سے بھی چھوٹا (منفعیہ) یا بڑا (سالمہ) اللہ کی نگاہ سے غائب نہیں بلکہ اس کی روشن کتاب میں موجود ہے)۔[81]

اس کتاب میں اگر اصغر واکبر سے مراد منفعیہ وسالمیہ نہ لئے جائیں تو ساری آیت ایک چیستاں بن کر رہ جاتی ہے ۔چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بیسویں صدی میں علمائے فطرت ذرے کی یہ اقسام دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ۔اس لئے وحی میں اس آخری کتاب کی عظمت تسلیم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لئے وحی میں اس آخری کتاب کی عظمت تسلیم کرانے کے لئے اللہ نے اقسام ذرات کا بھی ذکر فرمایا۔ قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اس میں ایک ایسی چیز کا ذکر بھی موجود ہے۔ جس سے علم ایک طاقتور خوردبین کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔[82]

6۔ زمین کا سکڑنا:

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ابتداء میں ایک بہت بڑا ستارہ کسی وجہ سے سورج کے نزدیک سے گزرا۔ قوت کشش کی بدولت سورج کا ایک

بہت بڑا ٹکڑا سورج سے الگ ہو کر خلاء میں گھومنے لگا۔ جو بعد ازاں زمین کہلایا۔ الگ ہونے کے بعد ابتداء میں زمین کا درجہ حرارت سورج والا ہی تھا۔ پھر آہستہ آہستہ زمین کا درجہ کم ہونے لگا اور زمین ٹھنڈی ہونے لگی اور اب تک

ٹھنڈی ہورہی ہے۔جب گرم تھی تو پھیلی ہوئی ہونے کی وجہ سے اس کا حجم زیادہ تھا۔ٹھنڈی ہونے کے بعد اس نے سکڑنا شروع کیااور یہ روز بروز سکڑتی چلی جارہی ہے۔[83]

(اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَـنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا)[84]

(ترجمہ: کیاوہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اطراف (باہر) سے سکیڑتے ہوئے لارہے ہیں)

قرآن مجید کا یہ کتنابڑااعجاز ہے کہ لاکھوں برس پہلے کی باتیں جو دنیا کو آج معلوم ہورہی ہیں۔اس نے پہلے ہی بتا دی ہیں۔کیاایسا کرنا کسی انسان کے بس میں ہے؟

(سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَـقُّ)[85]

(ترجمہ: ہم آفاق وانفس (کائنات اور نفس انسانی) سے ایسی شہادتیں مہیا کریں گے۔جن سے ان پر یہ حقیقت کھل جائے گئ کہ قرآن اللہ کاکلام ہے)[86]

7۔حمل آور ہوائیں:

نباتات کا مطالعہ بقراط(460-377 قم)وارسطو(384-322 قم)کے دور سے ہورہاہے۔لیکن پودوں میں نر اور مادہ کا تصور بعد کی بات ہے۔البتہ رسول ﷺ کے دور میں عرب اس تصور سے واقف تھے۔تاہم یورپ میں یہ علم بہت بعد میں پہنچا۔سویڈن کاایک حکیم کیرولس لینس(1707-1778ء)غالباپہلا باٹونسٹ ہے۔جس نے اس حقیقت کو تسلیم کیا۔اور1769ءمیں اس پر ایک مقالہ لکھااور بعد میں ایک کتاب لکھی۔[87]

پھول والے پودوں کی انواع تقریباڈھائی لاکھ ہیں۔ان میں سے کچھ نر ہوتے ہین اور کچھ مادہ۔نر میں زرد رنگ کے ذرات ہوتے ہیں جسے پولن(pollen) کہا جاتا ہے۔اگر پولن ذرات مادہ تک نہ پہنچیں تو بیج اور پھل نہیں لگتے۔قدرت ان ذرات کو مادہ پھولوں تک پہنچانے کے لئے بہت سے طریقے استعمال کرتی ہے۔البتہ ان ذرات کی تقسیم کا سب سے بڑاذریعہ ہوائیں ہیں۔اس لئے قرآن مقدس نے صرف ان کے ذکر پر اکتفا کیاہے[88]۔ارشاد باری ہے۔

(وَاَرۡسَلۡنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ)[89]

(ترجمہ: ہم نے حاملہ کردینے والی ہوائیں چلائیں)

قرآن مجید میں ایک ایسی حقیقت کا ذکر آجانا جس کا انکشاف آج سے دو سو سال پہلے مغرب کے علماء کو ہوا تھا۔اس امر کا اعلان ہے کہ

تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

8۔پودوں میں نر اور مادہ کا تصور:

مغرب میں پودوں میں نر اور مادہ کا تصور سویڈن کے ایک سائنسدان کیرولیس لینز کی تحقیقات کی بدولت منظر عام پر آیا۔ اس نے 1769ء میں اس موضوع پر اپنی تحقیقات پیش کیں۔ جب کہ قرآن پاک نے اس حقیقت سے صدیوں پہلے پردہ اٹھادیا تھا۔ ارشاد باری ہے۔

(وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ)[90]

(ترجمہ: ہر چیز سے ہم نے نر و مادہ جوڑے پیدا کئے)

قرآن حکیم کے الہامی ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس حقیقت سے رسول امی ﷺ نے 1362 سال پہلے پردہ ہٹایا، اسے آج کے دور میں این جدید ترین اور ماڈرن نظریہ سمجھا جاتا ہے۔[91]

9۔ بارش بطور نعمت خداوندی:

اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن پاک میں بارش کو اپنی نعمت کے طور پر بیان کیا ہے۔ بارش کے لئے بادل، بخارات سے بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ دیکھو کہ ہر روز سمندروں کا کروڑوں ٹن پانی ہماری کوشش کے بغیر بخارات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر بارش کے لئے درکار بخارات کا حساب لگایا جائے تو واضح ہو گا کہ صرف سو مربع میل رقبے پر بارش کے لئے جو بخارات درکار ہیں۔ ان کے لئے انسان کو 5 لاکھ ٹن کوئلہ جلانا پڑے گا۔ اور پورے ہندوستان پر صرف دس منٹ تک بارش برسانے کے لئے 90 ارب ٹن کوئلہ درکار ہو گا۔ جس کی قیمت 450 کھرب روپیہ بنتی ہے۔ اور یہ رقم حکومت کی سالانہ آمدنی سے تیس ہزار گنا زیادہ ہے۔[92]

بارش کے متعلق یہ تمام انکشافات گذشتہ پچاس برس میں ہوئے ہیں۔ اور قرآن نے 1362 سال پہلے اس کے متعلق بتادیا تھا۔ انصافا کہو کہ قرآن کے الہامی ہونے پر اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟[93]

10۔ تخلیق کائنات:

نئی سائنسی معلومات سے یہ واضح ہوا ہے کہ ہماری کائنات چھ مختلف مراحل سے گزر کر بنی ہے۔ جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ تمام عناصر دھویں کی صورت میں نمودار ہوئے

2۔ ان سے اجرام سماوی پیدا ہوئے

3۔ سورج سے زمین نکلی

4۔ امین آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی۔ بارشیں ہوئیں اور زلزلوں کی بدولت پہاڑ تعمیر ہو گئے

5۔ نباتات بنے

6۔ حیوانات بنے جن کی ارتقائی صورت انسان ہے

ان نتائج پر سائنسدان سینکڑوں سالوں کی تحقیق و جستجو کے بعد پہنچے جب کہ رسول ﷺ نے 1362 سال پہلے بتادیا تھا:

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَۚ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾[94]

(ترجمہ: کیا تم اس ہستی کے قوانین کو توڑتے ہو جس نے دو یوم میں زمین کی تکمیل کی۔ تم خوا مخواہ اس کے شریک گھڑ رہے ہو، حالانکہ وہ رب العالمین ہے۔ اللہ نے زمین پر پہاڑوں کا سلسلہ بچھا کر اس میں برکت ڈال دی۔ اس میں روئیدگی نباتات کی استعداد رکھ دی اور یہ سب کچھ چار دن میں ہوا۔ ان خزائن کے منی سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت دھوئیں کی حالت میں تھا۔ پھر اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ آؤ اور اپنا کام طوعا و کرھا شروع کر دو۔ زمین و آسمان نے کہا کہ ہم فرماں بردار غلاموں کی طرح حاضر ہیں۔ اللہ نے سات آسمان دو دن میں پیدا کئے اور ہر آسمان کو ایک ضابطے کا پابند کر دیا)

تو گویا زمین پہاڑ اور نباتات وغیرہ چار یوم میں بنائے اور آسمان دو دن میں خلق کئے۔[95]

قرآن پاک کے منزل من اللہ ہونے کے ضمن میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے چار قسم کے دلائل پیش کئے ہیں۔ یہ عقلی، تاریخی، بشاراتی اور سائنسی دلائل واضح طور پر عامۃ الناس اور خاص طور پر عقل و سائنس سے مرعوب اذہان کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس بات کا یقین کریں کہ قرآن کلام الہی ہے ان دلائل کی بدولت عقل سلیم کا حامل فرد اس حقیقت کو قبول کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا شکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن محمد ﷺ کی کتاب نہیں بلکہ خدائے وحدہ لاشریک کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

حوالہ جات

[1] ۔الاحقاف 9:46

[2] ۔یونس 39:10

[3] ۔برق،غلام جیلانی،ڈاکٹر،میری داستان حیات(لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب،اکتوبر2014ء)،ص12

[4] ۔برق،میری داستان حیات،ص91

[5] ۔برق،میری داستان حیات،ص91

[6] ۔برق،غلام جیلانی،ڈاکٹر،میری آخری کتاب(لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب جنوری2016،)ص47-53

[7] برق،غلام جیلانی،ڈاکٹر،رمز ایمان(لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب،جنوری2016ء)،ص79

[8] برق،رمز ایمان،ص80

[9] ایضا

[10] ایضا

[11] الانفال8:67

[12] برق،رمز ایمان،ص81

[13] بنی اسرائیل17:73-75

[14] برق،زمز ایمان،ص81

[15] ایضا،ص82

[16] برق،میری آخری کتاب،ص106

[17] برق،زمز ایمان،ص78

[18] برق،میری آخری کتاب،ص133

[19] القرآن7:132

[20] ۔برق،میری آخری کتاب،ص134

[21] ۔ایضا

[22] برق،میری داستان حیات،ص135

[23] برق،میری آخری کتاب،ص136

[24] برق،غلام جیلانی،ڈاکٹر، معجم القرآن(لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز،س ن)،ص419

[25] برق،میری آخری کتاب،ص139

[26] الرحمن55:7

[27] ۔برق،میری آخری کتاب،ص153

[28] ۔ایضا

[29] ۔ایضا،ص154

[30] الحاقہ 69:6-8

[31] ۔برق، میری آخری کتاب، ص155

[32] ۔ایضا، ص156

[33] ۔ایضا،

[34] ۔برق، میری آخری کتاب، ص156

[35] ۔برق، میری آخری کتاب، ص156

[36] ۔ھود 11:82

[37] ۔برق، میری آخری کتاب، ص158

[38] ۔ایضا، ص159

[39] ۔برق، میری آخری کتاب، ص159

[40] برق، میری آخری کتاب، ص163

[41] ۔ایضا، ص163

[42] ۔ایضا، ص164

[43] ۔ایضا، ص165

[44] ۔ایضا، 166

[45] ۔برق، میری آخری کتاب، ص166

[46] ۔بائیبل، خروج، باب19، آیات18-19

[47] ۔برق، میری آخری کتاب، ص166

[48] ۔ایضا

[49] ۔ایضا، 167

[50] ۔برق، میری آخری کتاب، ص113

[51] ۔ایضا، ص114

[52] ۔ایضا، ص124

[53] ۔ایضا

[54] ۔برق، میری آخری کتاب، ص126-127

[55] ۔علق 94:9-19

[56] ۔برق، میری آخری کتاب، ص129

[57] ۔ایضا،ص132

[58] ۔الحج:27

[59] ۔ایضا،ص132

[60] ۔برق،میری آخری کتاب،ص130

[61] ۔ایضا،ص131

[62] ۔ایضا

[63] ۔برق،میری آخری کتاب،ص22

[64] ۔برق،میری آخری کتاب،ص23

[65] ..الذاریات47:51

[66] ۔برق،میری آخری کتاب،ص24

[67] ایضا،ص25

[68] ۔برق،میری آخری کتاب،ص25

[69] یسین38:36

[70] برق،میری آخری کتاب،ص26

[71] ایضا،ص27

[72] ۔برق،میری آخری کتاب،ص46

[73] یسین80:36

[74] ۔برق،میری آخری کتاب،ص46

[75] برق،میری آخری کتاب،ص15

[76] اعراف185:7

[77] برق،دو قرآن،ص15

[78] برق،میری آخری کتاب،ص16

[79] برق،دو قرآن،ص189

[80] ۔یونس61:10

[81] ۔برق،دو قرآن،ص189

[82] ۔برق،دو قرآن،ص190

[83] ۔برق،میری آخری کتاب،ص43

[84] ۔رعد13:41

[85] ۔حم سجدہ41:53

[86] ۔برق، میری آخری کتاب، ص43

[87] ۔برق، میری آخری کتاب، ص44

[88] .برق، میری آخری کتاب، ص45

[89] ۔حجر15:22

[90] ۔ذاریات51:49

[91] ۔برق، دو قرآن، ص65

[92] ۔برق، دو قرآن، ص267

[93] ۔برق، دو قرآن، ص267

[94] ۔حم سجدہ41:9-12

[95] برق، دو قرآن، ص176-177